بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم

الحمدلله نحمده و نستعینه ونستغفره و نومن به و نتوکل علیه و نعوذبالله من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا من یهدالله فلا مضل له و من یظلل فلا هادی له و اشهدان لا اله الاالله و اشهدان محمدا عبده ورسوله

امام اور امامت

مرتب: محمّد نامدار خان بوزئی
بتاریخ ۲۴ مارچ ۲۰۰۰ء

عربی زبان میں لفظ امام کے معنی رہنما' مقتدا' پیشوا' راستہ بتانے والا' ہدایت دینے والا' لیڈر یا گائیڈ کے ہوتے ہیں۔ان سارے مذکورہ معنوں میں لغاتی اعتبار سے ایک ناطق و فاعلِ حقیقی موجود ہے مگر جب یہ لفظ استعاری یا مرادی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے تو ایسی صورت میں یہ لفظ فاعلِ حقیقی و ناطق کے تصور کے بغیر بھی استعمال ہوتا ہے۔قرآن نے اسے ہر دو صورتوں میں استعمال کیا ہے' مثلاً دوسری صورت میں یہ کہیں شاہراہ کے لیے استعمال کیا گیا تو کہیں آسمانی کتب مثلاً توراۃ یا لوح محفوظ کے لیے مستعمل ہوا۔ذیل میں ہم ناطقین و فاعلینِ حقیقی کا مفہوم پوشیدہ رکھنے والی صنف میں سے ایک خاص صنف جو کہ ''ہدایت ورہنمائی اور پیشوائی'' سے متعلق ہے،اس پر اپنی بحث کو مرکوز رکھیں گے۔

جاننا چاہیئے کہ ائمہ ہدایت ورہنمای دو قسم کے ہوتے ہیں ایک وہ جو اللہ کے منتخب کردہ ہوتے ہیں اور ایک وہ جو بندوں کے منتخب کردہ ہوتے ہیں۔منتخب من اللہ امام کو عربی لغت نے ''مجتبیٰ'' اور ''مصطفیٰ'' کہا ہے اور چونکہ لوگوں کی رہنمائی وہدایت کے لئے اللہ سبحان وتعالیٰ خود ان کا انتخاب فرماتے ہیں اس وجہ سے یہ لوگ ''مختص من اللہ'' اور ''مامور من اللہ'' بھی طے پاتے ہیں۔ایسے لوگوں کو قرآن نے کہیں ''آیت'' اور کہیں ''امر اللہ'' بھی کہا ہے۔

اللہ یا اللہ کا رسول ﷺ جب کسی ایسے ہی ''امام'' کا مستقبل میں آنے کا وعدہ کرتے ہیں تو ایسا شخص ''موعود من اللہ'' (وہ جس کا اللہ نے وعدہ کیا ہے) اور ''مراد اللہ'' (وہ جسکا اللہ نے ارادہ کیا ہو) کہلاتا ہے۔ پہلی صورتحال میں ہم اختصارِ گفتار کی خاطر ''موعود'' کہہ دیتے ہیں۔

''امام'' کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے جن کو بندگان خدا اپنی صوابدید اور مرضی کے تحت خود مقرر یا appoint کرتے ہیں اور بعض حالات میں گذر بسر و مددِ معاش کے لیے ان کا ''روزینہ'' یا تنخواہ مقرر کرتے ہیں۔ مثلاً مسجد کا امام یا کسی سیاحی ادارے کا گائیڈ یا کوئی سیاسی امام جیسے امام خمینی وغیرہم یا وہ مجتہد جو کہ دینی علوم میں بے انتہا مہارت و صلاحیت کی بنیاد پر لوگوں کی رہنمائی (امامت) کرتا ہے۔ چنانچہ ایسے افراد بھی ''امام'' کے لقب سے ملقب کر دیئے گئے۔ مثلاً امام ابوحنیفہؒ، امام بخاریؒ، امام غزالیؒ وغیرہم۔

ان مذکورہ اماموں میں کوئی شخصیت بھی نہ تو ''مامور من اللہ'' ہے اور نہ ہی ''موعود من اللہ'' اور چونکہ یہ لوگ ''مامور من الناس'' (appointed by the people) یعنی مامور منجانب غیر اللہ ہوتے ہیں اس وجہ سے اپنے اجتہاد میں غلطی کر سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے فقہہ اور ان کی پیش کردہ تاویلات ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں۔ ان کے علم کی انتہا ان کا کشف (manifestation) ہوتا ہے۔ جس کے متعلق یہ خود بھی کامل یقین نہیں رکھتے۔ اسی سبب ''ثمه انا علینا بیانه'' کا ذریعہ صرف اور صرف امام مامور من اللہ طے پاتا ہے۔ آیئے اب ''امام مامور من اللہ'' کے تشخص اور ہماری لغزشوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

امام مامور من اللہ :

حضرت موسیٰؑ کو رسالت دینے سے قبل اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

''غرض ہم نے تجھے اچھی طرح آزمایا'' (طٰہٰ ۴۰)۔

''اب تو اپنے بھائی سمیت میری نشانیوں کو ہمراہ لیتے ہوئے جا اور خبردار میرے ذکر میں سستی نہ کرنا'' (طٰہٰ ۴۲)

سورہ بقرہ میں فرماتا ہے: ''جب آزمایا ابراہیمؑ کو چند باتوں میں تو انہوں نے وہ پوری کر دیں۔

اس نے (اللہ نے) فرمایا: میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں''۔

اس نے کہا (پوچھا) ''اور میری اولاد سے؟''

اس نے فرمایا ''بیشک میرا وعدہ ظالموں (غیر عادلوں) کو نہیں پہنچیگا''۔ (البقرہ:۱۲۴)

مندرجہ بالا آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کسی کو امام بنانے سے قبل اس بندے کا امتحان لیتا ہے اور کامیابی کی صورت میں ''امام'' بمعنی رہنما کے لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے چن لیتا ہے۔ پھر اس کی تعلیم و تربیت منجانب اللہ ہوتی ہے۔ تکمیل تعلیم کے بعد ان تعلیمات کو بندوں تک پہنچانے کا حکم دیا جاتا ہے چنانچہ ان تعلیمات کے پہچانے کے عمل کو ''رسالت'' کہتے ہیں۔ مذکورہ آیت سے دوسری بات یہ واضح ہوتی ہیکہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد میں سے بھی امام بنائے جانے کی تمنا کی تھی جس پر اللہ نے مشروط حامی بھرتے ہوے اشارہ دیدیا کہ ان کی ظالم (غیر عادل) اولاد کو امامت کے منصب سے نہیں نوازہ جائیگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ سورہ الانبیاء کی ۶۹ سے ۷۲ تک کی آیات میں حضرت ابراہیمؑ، لوطؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کا تذکرہ کرنے کے بعد، آیت :۷۳ میں فرمایا:

وجعلنٰهم ائمه يهدون با مرنا و اوحينا اليهم فعل الخيرات (اور ہم نے ان کو امام مقرر کیا۔ وہ ہمارے حکم سے ہدایت دیتے تھے اور ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی نیک کام کرنے کی)۔

سورہ النحل کی آیت نمبر: ۱۲۰ میں حضرت ابراہیمؑ سے کیے گئے اپنے وعدے کی تکمیل کا بھی تذکرہ فرمادیا:

''بیشک ابراہیمؑ امام تھے، اللہ کے فرماں بردار ایک راہ (حق پر چلنے) والے''۔

پس مذکورہ تمام مرسلین اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ''امام'' تھے اور ایسے تمام کے تمام ائمہ بلا تخصیص مفترض التصدیق و مفترض الاتبع ہوتے ہیں چنانچہ انہی حقائق کی روشنی میں کسی مامور من الناس امام کو ''امام ربّانی'' کہنا محض گمراہی اور شخصیت پرستی و غلو کے مترادف فعل تسلیم ہوگا۔

قرآنی آیات ہی سے ثابت ہے کہ حضرت لوطؑ و اسمٰعیلؑ، یعقوبؑ و یوسفؑ و یحیٰی علیہ السلام صاحبِ شریعتِ جدیدہ نہ ہونے کے باوجود انبیاء و مرسلین من اللہ تھے اور ان پر وحی نازل ہوتی تھی۔ ایسے ائمہ کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ (Communication) رہتا ہے اور ان کے فرائض میں ''دعوۃ الی اللہ'' کے علاوہ کبھی بشارات اور کبھی اِنذار یا پھر کبھی دونوں ہی چیزوں کا اعادہ شامل ہوتے ہیں اور کوئی شخص بھی حدیث کی اصطلاح کے تحت ''المہدی'' نہیں تسلیم کیا جاتا جب تک کہ وہ اللہ سے براہ راست یا بالواسطہ ملائیکہ ہدایت و تعلیم حاصل نہ کرلے۔

صاحبِ علم وزائرینِ مسجدِ نبویؐ جانتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا ایک نام ''المہدی'' ہے جو کہ مسجد نبوی میں نبی کریم ﷺ کے دیگر ناموں کے ساتھ لکھا ہوا ہے پس تمام ہادیان برحق، اصولی طور پر ''المہدی'' ہوتے ہیں۔

چنانچہ سورہ بنی اسرائیل آیت ۷۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''ایک دن ہم لوگوں کو ان کے اپنے اماموں کے ساتھ بلائیں گے۔''

چنانچہ محترم مفسر ابن کثیر نے سورہ فرقان کی آیت: ۶۰ کی وضاحت کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ کے بارے میں لکھا ہے کہ سچے امام آپ ﷺ ہی ہیں۔ اسی طرح سورہ آلِ عمران کی آیات :۸۱، ۸۲ کی تفسیر میں بھی اسی مفسر نے حضور اکرم ﷺ کو ''امام آعظم'' قرار دیا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حافظ ابن کثیر، نبی کریم ﷺ کے مقام، منصب و فرائض کی تاویل و تشریح کے لئے لفظ ''امام'' کا سہارا لینے پر کیوں مجبور ہوئے؟۔

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ''رسول'' یا ''نبی'' کے معنی حضور اکرم ﷺ کے منصب، فرائض اور ذمہ داریوں کا مکمل احاطہ لغوی اعتبار سے نہیں کرتے۔ حتّیٰ کے خاتم النّبیّن ورحمۃ اللعالمین جیسے مکرم القابات بھی اپنے معنوں میں وہ مفہوم نہیں رکھتے جو کہ لفظ ''امام'' کے مذکورہ قرآنی مفہوم نے متعین کئے ہوئے ہیں۔ جیسا کہ مذکورہ آیات (بقرہ ۱۲۴، النحل ۱۲۰، الانبیاء ۷۳) سے واضح ہوتا ہے۔

ہوا یہ ہے کہ ''امام مامور من اللہ'' کے الفاظ میں سے ''مامور من اللہ'' کو محذوف رکھا گیا اور اس طرح صرف لفظِ ''امام'' مستعمل رہا۔ یہ صورتِ حال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہ ''اللہ اکبر'' سے اصل مراد۔ اللّٰہ اکبر من کل شیئٍ ہوتی ہے جس میں ''من کل شیئٍ'' محذوف ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا پس منظر میں لفظِ ''امام'' اپنا قرآنی مفہوم کھو بیٹھا۔ جب کہ گزرتے وقت کے ساتھ نبی اور رسول جیسے لفظوں کے غیر محتاط استعمال نے غیر عرب مسلمانوں کے ذہنوں میں ''امام'' کے مفہوم اور فرائض کو بھی اپنے اندر شامل کر لیا۔ پھر ''حق خلافت'' کے اختلافات کے زمانے میں لفظ ''امام'' کے فی زمانہ مروجہ معنی وجود میں آئے۔ عمل تقیہ نے اپنا کمال دکھایا اور ''ضرورت'' کے تحت لفظِ ''امام'' اپنے غیر قرآنی معنوں میں مستعمل رہا۔ اس طرح لفظِ امام کا قرآنی مفہوم پس پردہ چلا گیا مگر علامہ ابن کثیر جیسے علماء و مفسرین کی فہم میں اس لفظ نے اپنا مذکورہ قرآنی مفہوم برقرار رکھا جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں درج توضیحات سے ظاہر ہوتا ہے۔

یہ وہ حقائق ہیں جو کہ اسلاف نے اپنے تبلیغی نساب سے دانستہ یا غیر دانستہ طور پر خارج از بحث رکھیں۔ یہی صورتِ حال ''مہدی'' اور ''موعود'' کی اصطلاحات کے ساتھ بھی پیش آئی اور انہیں اس طرح واضح نہیں کیا گیا جس طرح کہ ضرورت رہی۔ یقیناً جب کبھی ہمارے بزرگ احادیثِ نبوی ﷺ میں مذکور، امتِ مسلمہ میں مبعوث کیے جانیوالے ''مہدی'' یا ''موعود'' کا تذکرہ کرتے تو انکی منشاء و مراد ''مہدی من اللہ'' و ''موعود من اللہ'' ہوا کرتی رہی ہے مگر غفلت یہ رہی کہ مذکورہ اہم نکات یعنی محذوفات کو کما حقہ واضح نہیں کیا گیا، جس کے نتائج اب سامنے آ رہے ہیں۔ یہ ایسے نتائج ہیں کہ ان کے اثرات قومی نفاق اور تفرقہ کی شکل میں صدیوں تک باقی رہیں گے۔

ہماری لغزش :

قارئین کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ ہم ہی میں سے کچھ لوگ بغیر کسی تمہید و تشریح کے ''امام آعظم'' کی اصطلاح بھی استعمال کرتے ہیں۔ یہ اصطلاح کم از کم ہم لوگوں کو نہیں استعمال کرنی چاہیئے کیوں کہ یہ اصطلاح سن کر ایک نا پختہ اور کم علم ذہن پر آگندہ اور Confuse ہو جاتا ہے۔ اسے یاد آتا ہے کہ اس کے بزرگوں نے مہدی آخر الزماں کو ''امام'' کے منصب پر فائز شخصیت متعارف کروایا تھا اور یہ بھی تلقین کی تھی کہ یہ ذات پیغمبر صفات، اللہ کے وعدے یعنی بیان قرآن کی ذمہ داری کی حامل و دافعِ ہلاکتِ امتِ محمدیہ اور ''مرجع کل'' شخصیت ہے۔ اسے یہ بھی باور کروایا تھا کہ قرآن بھی اس کا امام ہے۔

القرآن و المهدی امامنا..... !

ان سارے عقائد کی موجودگی میں کسی مجتہد و فقیہہ عالم کو ''امام آعظم'' کے طور پر جب اس کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو اس کے منطقی ذہن کے لئے منصب امام مہدیؑ ایک نا قابل فہم معمہ بن جاتا ہے اور جب اس کا ذہن اس تقابلی صورتِ حال میں پوشیدہ تضاد کو حل نہیں کر پاتا تو خود ہی اپنے ذہن پر تالا لگا لیتا ہے جس کے نتائج بہت دور رس ہوتے ہیں۔ اس تالا بندی کا اثر کسی نہ کسی موقع پر اپنے ہی علماء اور مرشدین و بزرگوں کے عقائد پر ابہام و شبہات کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

یہ صورتِ حال کسی حد تک ہماری ہی خود ساختہ صورتِ حال ہے جو کہ ہم نے قرآنی اور غیر قرآنی

مفاہیم واصطلاحات کو گڈ مڈ کر کے یا ان کے مترادفات کے غیر محتاط استعمال سے یا پھر کلمات کے محذوفات کو اجاگر کیے بغیر کلمات ادا کر کے پیدا کر لی ہے ہم نے سنجیدگی سے غور ہی نہیں کیا کہ لفظِ ''امام'' اپنا قرآنی مفہوم اور شرعی منصب (جس کا ہم نے پچھلے صفحات میں ذکر کیا ہے) کھو چکا ہے اور فی زمانہ اپنے مروجہ معنوں میں مرسلین کے ہم پلّہ شرعی منصب نہیں تسلیم کیا جاتا۔اس صورتحال سے بعضوں نے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔اپنے بھی اصل عقیدہ کھو بیٹھے! موجودہ صوتحال یہ ہیکہ امام مہدی علیہ السلام پر ایمان لانے اور بیعت کرنے کی شرعی ضرورت کو موجودہ نام نہاد ''علماء'' نے اپنی خود ساختہ فہرستِ ''ضروریاتِ دین'' سے باہر رکھا ہوا ہے۔(نعوذ باللہ)

امام آعظم :

کلیاتِ دین بذریعہ وحی نبی کریمﷺ پر نازل ہوئیں جو کہ مکمل اور غیر متبدل حالت میں قرآن مجید کی شکل میں آج ہمارے ہاتھوں میں ہیں اسی وحی کے تابع رسول اکرمﷺ بھی تھے۔ چنانچہ سورہ یونس آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ سے کہلوایا۔اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰىٓ اِلَىَّ (میں پیروی نہیں کرتا مگر [صرف اس کی] جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے) حضرت مہدی علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ ''مذہب ما کتاب اللہ واتباع سنت رسول اللہ'' یعنی ان دونوں حضرات کا امام صرف اور صرف وحی الٰہی طے پائی کیوں کہ قرآن کو ہم وحی متلو کے طور پر جانتے ہیں جب کہ سنت رسول اللہﷺ کو وحی غیر متلو کے طور پر۔اس پس منظر میں قرآن اور وحی غیر متلو کے علاوہ مسلمانوں کا ''امام آعظم'' کوئی اور نہیں ہوسکتا!

ہماری کم عقلی ہے کہ ہم ''القرآن والمہدی امامنا'' کی حقیقت پر غور نہیں کرتے۔ بدعتوں نے ہمیں ''امام آعظم'' سے دور کر دیا تھا۔امامنا علیہ السلام نے ہمارا ہاتھ دوبارہ سے ''امام آعظم'' کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہ وہ امام آعظم ہے جو کہ مستقلاً ہماری رہنمائی کے لیے قیامت تک ہم میں موجود رہے گا۔ یہ ایسا ''امام آعظم'' ہے جو کہ رحمۃ اللعالمین کی رہنمائی کا اعزاز رکھتا ہے۔ یہ وہ امام ہے جس کی صلاحیتِ رہنمائی کی تعریف میں قیامت تک کتابیں لکھی جائیں گی۔ یہ ایک ایسا امام ہے جو کہ جن اور انس دونوں کو چیلنج کرتا ہے اور کہتا ہے کہ اس جیسی تحریر بنا لائیں جو کہ یہ لوگ قیامت تک نہیں بنا سکتے یہ ایسا امام ہے جو کہ ہر زمانے کے

باسیوں کو چیلنج کرتا ہے کہ اس کے مقاصد میں کسی تضاد کو ڈھونڈ نکالیں یہ ایسا امام ہے جو کہ بنی نوع انسان کے لئے رحمت اور شفا ہے یہ ایسا امام ہے کہ جس کی ہدایات پر عمل کر کے ہم دنیا و آخرت میں سکون و اطمینان اور امن کی زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ کاش کہ ہم اس کے سواء کسی اور کو ''امام آعظم'' کا مقام دے کر اللہ کی ناراضگی نہ مول لیتے!

ہم بھول گئے کہ تیسری صدی ہجری میں غیر محتاط تقلیدی ذہنوں نے مجتہدین کو ''امام'' کے مروجہ مفہوم سے نوازہ ورنہ تو یہ اصطلاح اللہ تعالیٰ نے آسمانی کتابوں کے لئے استعمال کی ہے یا پھر اپنے مرسلین کے لئے استعمال فرمائی ہے: (وَمِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحۡمَةً) [سورہ: ہود آیت: ۱۷]

ہمارے نسیان کا نتیجہ :

چونکہ ملت اسلامیہ کے سنی العقیدہ فرقے نے لفظ ''امام'' کے مذکورہ قرآنی مفہوم کو بھلا دیا اور اس لفظ کے غیر قرآنی مفاہیم کو نسبتاً زیادہ مشتہر کر دیا اس وجہ سے عام آدمی ''امام'' کے مروجہ معنوں سے بہت زیادہ مانوس و آشنا ہو گیا۔ یہی وہ سبب ہے کہ فی زمانہ لوگ لفظ امام کے قرآنی مفہوم و منشاء سے دور ہو گئے۔ نتیجتاً امام المہدی الموعودؑ **جعلنٰهم آئمه يهدون بامرنا و اوحينا فعل الخيرات** کے مصداق ائمہ کے زمرے سے نکال کر ''ائمہ مامور من الناس'' میں کھڑا کر دئے گئے۔ (نعوذ با اللّٰہ من الذّٰلک)

السلام علیٰ من اتبع الھدٰی